البقرۃ : 285

سورۃ البقرۃ کی 285-286 آیات کی بڑی فضیلت ہے۔ یہ آیات آپؐ کو پہلے اسراء و معراج میں عطا ہوئی تھی جو بلا واسطہ (جبریئلؑ کے واسطے کے بغیر) عطا ہوئی اور جب آپؐ مدینہ میں آئے تب اِن آیات کا نزول جبریئلؑ کے ذریعے ہوا۔ یعنی ایک بار بلا واسطہ یہ آیات براہِ راست نبیؐ کو دی گئی اور دوسری بار واسطے سے یعنی جبریئلؑ کے ذریعے نازل ہوئی۔

معراج میں یہ دونوں آیتیں ملنے کے بارے میں آتا ہے :

مسلم :- حضرت عبداللہ (ابن مسعود / ابن عمر) سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسولؐ کو "اسراء" کروایا گیا تو آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، وہ چھٹے آسمان پر ہے (جبکہ اُس کی شاخیں ساتویں آسمان کے اوپر ہیں) وہ سب چیزیں جنہیں زمین سے اوپر لے جایا جاتا ہے، اُس تک پہنچتی ہیں اور وہاں سے انھیں لے لیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جنھیں اوپر سے نیچے لایا جاتا ہے وہاں پہنچتی (ٹھہرتی) ہیں اور وہیں سے انھیں وصول کر لیا جاتا ہے۔ (یہ اِس کے متعلق ہے جس میں) اللہ نے فرمایا:
"جب ڈھانپ لیا، سدرہ (بیری کے درخت) کو جس نے ڈھانپا۔" [سورۃ النجم : 16]
فرمایا (عبداللہؓ نے) : سونے کے پتنگوں (Moth) نے۔ اور کہا: پھر رسولؐ کو تین چیزیں عطا کی گئیں: 1> پانچ نمازیں عطا کی گئیں 2> سورۃ البقرۃ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور 3> آپؐ کی امت کے ایسے لوگوں کے جنھوں نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا جہنم میں پہنچانے والے (بڑے بڑے) گناہ معاف کر دیئے گئے۔

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی بار یہ آیات معراج کی رات آسمان پر نبیؐ کو دی گئی۔ قرآن کی ساری آیتیں زمین پر دی گئی۔ لیکن یہ آیتیں آسمان پر بھی دی گئی اور زمین پر بھی۔ اور یہ آیتیں ایسی جگہ دی گئی جہاں جبریئل بھی اُس جگہ نہیں جا سکے حالانکہ سارے فرشتوں میں جبریئلؑ کا مقام بہت بڑا ہے لیکن پھر بھی جبریئلؑ اُس مقام تک نہیں جا سکے۔ رسولؐ کو پہلی بار براہِ راست اللہ نے یہ دو آیات عطا کر دی۔ یہ نبیؐ کے شرف، عزت، فضیلت اور مقام کی وجہ سے یہ دو آیتیں بلا واسطہ جبریئل کے اللہ نے آپؐ کو عطا کی۔
بعض علماء نے کہا سورہ البقرۃ کی آخری آیات کا نزول بالاتفاق مدنی ہے اور معراج کا واقعہ مکی ہے۔ معراج میں سورۃ البقرۃ کی آخری آیات دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا جب کہ نزول بعد میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ واللہ اعلم

معراج کے واقعہ کے بعد کئی مکی اور مدنی آیتیں اور سورتیں نازل ہوئی۔ اور یہ سب لکھی ہوئی نہیں ملی بلکہ نبیؐ کے دل پر اتاری گئی۔ پھر بھی سبحان اللہ! جو آیتیں جس سورۃ کی تھیں وہیں پر رکھی گئی۔ یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔ بہرحال

البقرۃ کی آخری آیات کی خوشخبری دینے کے بارے میں آتا ہے:

مسلم :- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جبریئلؑ نبیؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک انھوں نے اوپر سے ایسی آواز سنی جیسی دروازہ کھلنے کی ہوتی ہے تو انھوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا: آسمان کا یہ دروازہ آج ہی کھولا گیا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اُس (دروازے) سے ایک فرشتہ اترا تو انھوں نے کہا: یہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا ہے یہ آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ اُس فرشتے نے سلام کیا اور (آپؐ سے) کہا: آپ کو دو نور ملنے کی خوشخبری ہو جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے: (ایک) فاتحۃ الکتاب (سورہ فاتحہ) اور (دوسری) سورۃ البقرۃ کی آخری آیات۔ آپ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کو طلب کردہ چیز ضرور عطا کی جائے گی۔

آخری دو آیتوں کا نزول بھی جبریئلؑ کے ذریعے ہی ہوا۔ اور جو فرشتہ آیا تھا وہ اِن آیتوں کی فضیلت کی وجہ سے بشارت دینے آیا تھا۔ جبکہ مدینہ میں البقرۃ کی آخری دو آیتوں کے شانِ نزول کے بارے میں حدیث ہے :

مسلم :- ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسولؐ پر یہ آیت اتری [البقرۃ : 284]
"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اُسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اُس پر تمہارا محاسبہ کرے گا۔ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" تو رسولؐ کے ساتھیوں (صحابہ) پر یہ بات انتہائی گراں گزری۔ وہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے: اے اللہ کے رسولؐ! (پہلے) ہمیں ایسے اعمال کا پابند کیا گیا جو ہماری طاقت میں ہیں: نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ اور اب آپ پر یہ آیت اتری ہے جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ رسولؐ نے فرمایا: "کیا تم وہی بات کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے دونوں اہلِ کتاب نے کہی: ہم نے سنا اور نافرمانی کی؟ بلکہ تم کہو: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)" جب صحابہؓ یہ الفاظ دہرانے لگے اور اُن کی زبانیں اِن الفاظ پر جاری ہوگئیں تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری (جس میں مومنوں کی تعریف کی گئی) [البقرۃ : 285] ← اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (رسولؐ اُس [ہدایت] پر ایمان لائے جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل کی گئی اور سارے مومن بھی۔ سب ایمان لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر، (وہ کہتے ہیں:) ہم (ایمان لانے میں) اُس کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے اور انھوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! تیری بخشش (چاہتے ہیں) اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔
چنانچہ جب انھوں نے یہ (مان کر اس پر عمل) کیا تو اللہ عزوجل نے اس آیت (284) (کے ابتدائی معنی) کو منسوخ کرتے ہوئے یہ آیت (286) نازل فرمائی [بعض علماء نے کہا صحابہؓ نسخ (منسوخ) کا لفظ وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کرتے تھے۔ اِس لیے نسخ ماننے کی ضرورت نہیں۔ صحابہؓ کی جو فکر و پریشانی تھی اُسے واضح کر دیا گیا کہ جو چیز انسان کے اختیار میں نہیں، اُس کی پکڑ نہیں ہوگی کیونکہ اللہ انسان کی وسعت سے زیادہ اُس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ وسوسہ آنا بے اختیاری ہے اِس لیے اُس پر پکڑ نہیں ہوگی۔ اور یہ وسوسے کی بات کی گئی ہے، دل کے اختیاری عمل کی بات نہیں کی گئی۔ بعض علماء نے کہا کہ اگر ہم اسے منسوخ بھی مانتے ہیں تو وہ جو وسوسہ آتا ہے اُس کے بارے میں نبیؐ نے حدیث میں فرما دیا کہ جب تک وہ عمل میں نہ آئے تب تک اُس پر پکڑ نہیں ہوگی۔] [البقرۃ : 286 کی تفسیر میں اِسکی تفصیل بیان ہوگی]

اِن تمام حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کو پہلی بار سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں معراج میں بلا واسطہ دی گئی۔ درمیان میں کوئی واسطہ نہیں تھا۔ براہِ راست اللہ کی طرف سے عطا کی گئی۔ پھر مدینہ میں آنے کے بعد دوبارہ جبریئلؑ کے ذریعے یہ آخری دو آیتیں نازل ہوئی۔

البقرۃ : 285-286 آیات کی فضیلت :-

ترمذی (حسن غریب) :- نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اُس کتاب کی دو آیتیں نازل کیں اور انہیں دونوں آیتوں پر سورۃ البقرۃ کو ختم کیا۔ جس گھر میں یہ دونوں آیتیں [مسلسل] تین راتیں پڑھی جائیں گی ممکن نہیں ہے کہ شیطان اُس گھر کے قریب آ سکے۔" [شیخ البانی نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے]

بخاری :- ابو مسعود انصاریؓ نے بیان کیا کہ نبیؐ نے فرمایا: سورۃ البقرۃ کے آخر کی دو آیتوں کو جو شخص رات میں پڑھ لے گا وہ اُس کے لئے کافی ہوں گی۔

کافی ہوں گی کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اُسے قیام اللیل سے کافی ہوں گی، یا شیطان یا ہر شر سے کفائت کر جائینگی۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
(رسولؐ اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل کی گئی ہے)

یہ آیت پہلی بار معراج میں بلا واسطے کے براہِ راست نبیؐ کو اللہ نے عطا کی پھر بھی حاضر کا صیغہ [اٰمَنْتَ ← آپ ایمان لائے اور اِلَيْكَ ← آپ کی طرف] نہیں استعمال کیا بلکہ غائب کا صیغہ [اٰمَنَ ← وہ (رسولؐ) ایمان لائے اور اِلَيْهِ ← اُن (رسولؐ) کی طرف] استعمال کیا گیا۔ نبیؐ کی عزت و عظمت کے لیے اسطرح کہا گیا۔
الْمُؤْمِنُوْنَ کا ذکر آخر میں ہے، الرَّسُوْلُ کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ رسولؐ کا ایمان اور تمام مومنوں کا ایمان ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ رسولؐ کے درجے میں کوئی بھی مومن نہیں پہنچ سکتا۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ (جو اتارا گیا اُس [نبیؐ] کی طرف) یعنی صرف قرآن ہی نہیں بلکہ احادیث بھی اتاری گئیں۔
النساء : 113 ← ... وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ... (اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب [قرآن] اور حکمت [احادیث] اتاری۔)
الاحزاب : 34 ← وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ... (اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت (احادیث) پڑھی جاتی ہیں اُن کا ذکر کرتی رہو...)
قرآن اور سنت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی قسم کا اِن پر شک نہ ہو۔
کسی کا ایمان اُس وقت ہو سکتا ہے جب وہ دل سے پورے یقین کے ساتھ اُسے مانے، زبان سے اقرار کرے اور اُس پر عمل بھی کرے۔ ویسے ہی کرے جیسے قرآن و سنت میں کہا گیا۔ صرف زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں۔
پچھلی ہی آیت میں کہا گیا کہ اللہ حساب لے گا۔ جسے یہ پتہ ہو کہ اللہ میرا احساب لے گا تو وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھے گا بلکہ عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریگا۔ وہ یہ سوچے گا کہ میرے سارے اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ قیامت کے دن میرے سارے اعمال جمع دکھائے جائینگے۔ جزا سزا کے دن (قیامت کے دن) وہ سارے فیصلے کریگا۔ اِس لئے اپنی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنا ہے۔ اور اللہ کی مرضی قرآن و سنت سے معلوم ہوگی۔
قرآن و سنت سے فائدہ اٹھانے کے لیے سب سے پہلے ایمان لانا ضروری ہے۔ اِسی لیے اِس سورۃ کے شروعات میں کہا گیا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (اِس کتاب [کے اللہ کی کتاب ہونے] میں کوئی شک نہیں)۔ یعنی ایسا ایمان لاؤ کہ کوئی بھی کسی بھی قسم کا شک نہ ہو۔ کیونکہ یہ کتاب هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ متقیوں کو ہدایت دینے کے لیے آئی ہے۔ صحیح راستہ دکھانے کے لیے آئی ہے۔ جتنا اِس قرآن پر ایمان ہوگا کہ جو بھی اِس میں ہے سب کچھ سچ ہے اُتنا ہی زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔ ہم ویسے ہی اعمال کرینگے جیسے بتائے گئے۔ اگر کوئی عمل مشکل بھی لگے تو بھی اُسے اللہ کی رضا کے لیے خوشی خوشی کرینگے۔ ہمارے اعمال کی درستگی کی بنیاد ایمان پر ہے۔

صرف رسولؐ ہی نہیں بلکہ سارے کے سارے مومن ایمان لائے۔ کوئی بھی شخص ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اُس چیز کو نہ مانے جو رسولؐ کی طرف بھیجی گئی ہیں۔ اور جب تک اُسے یہ یقین نہ ہو کہ جو بھی اللہ نے بھیجا ہے وہ سب کچھ سچ ہی ہے چاہے اُسکی حکمت سمجھے یا نہ سمجھے۔ جس رب نے یہ کائنات بنائی جس میں کوئی خلل نہیں تو اس کتاب میں بھی کوئی خلل نہیں ہو سکتا۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
(سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُسکی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں)

البقرۃ کے آغاز میں ہدایت کے لیے جو شرائط رکھی گئی تھی اُس کی تفصیل یہاں ہے کہ بِالْغَيْبِ میں کیا کیا آتا ہے۔ شروعات میں کہا گیا کہ یہ کرو گے تو ہدایت ملے گی اور اختتام پر بتایا گیا کہ رسول اور مومنوں نے وہ سارے کام کیے۔
اِس طرح آیت 62 میں تھا: بے شک جو لوگ مومن، یہودی، نصرانی اور صابی ہیں۔ جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اُن (سب) کے لیے اُن کے رب کے پاس اُن کا اجر و ثواب (محفوظ) ہے... اِس میں صرف دو ایمان (اللہ اور آخرت) کی بات تھی لیکن اِس آیت 285 میں ایمان کی تفصیل بتائی گئی۔ یعنی اُن سب کا ایمان اُس وقت محفوظ ہوگا جب وہ اِن تمام چیزوں پر بھی ایمان لائیں گے۔ آیت 62 میں مختصر بات کی گئی تھی لیکن یہاں تفصیل بیان کی گئی۔ اِس لیے صرف اللہ اور آخرت میں ایمان لانا کافی نہیں۔ اِن دونوں پر تو کئی لوگ ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ پر ایمان :- [ذات، اسماء و صفات، الوہیت، اور ربوبیت]

1> اللہ کی ذات پر ایمان کہ اُس کا وجود ہے۔
2> اللہ کی صفات پر ایمان کہ اُسکے سارے نام و صفات اچھے اور کامل ہے۔
3> اللہ تعالیٰ کے حقیقی ایک اِلٰہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔
4> اللہ کے رب ہونے پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ہی ہمارا خالق، مالک اور مدبر ہے۔

فرشتوں پر ایمان :-

1> فرشتے غیبی مخلوق ہیں اور نور سے بنے ہیں۔ اور اُن کی تعداد ہمیں نہیں معلوم۔
2> کچھ فرشتوں کے نام اور کام نہیں بتائے گئے، کچھ فرشتوں کے صرف کام بتائے گئے اور کچھ فرشتوں کے نام اور کام بھی بتائے گئے۔ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

چند فرشتوں کے نام	اُن فرشتوں کے کام / ذمہ داری
1> جبریئلؑ	اللہ تعالیٰ سے وحی لے کر رسولوں تک پہنچانا
2> میکائیلؑ	جہاں اللہ تعالیٰ حکم دے وہاں بارش برسانا
3> اسرافیلؑ	قیامت کے دن صور پھونکنا
4> منکر اور نکیر	قبر میں سوالات کرنا
5> مالک	جہنم کا داروغہ

کتابوں پر ایمان :-

1> پہلی تمام کتابوں اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی۔
2> قرآن مجید میں جن الہامی کتابوں کا ذکر ہے وہ قرآن، تورات، انجیل، زبور، ابراھیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفے ہیں۔ ہم اِن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن الہامی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ بتایا گیا کہ وہ کس رسول پر اتری۔
3> قرآن سے پہلے جتنی الہامی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا تھا وہ سب حق ہے۔ قرآن نازل ہونے کے بعد پچھلی تمام الہامی کتابیں اور شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اب عمل صرف قرآن پر ہوگا۔ [پہلے جتنی الہامی کتب آئی اُن میں کئی تبدیلی اور تحریفیں لوگوں نے کی۔ وہ کتابیں آج اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ اِس لیے اُن کتابوں میں جو صحیح باتیں ہیں اُن کی ہم تصدیق کرتے ہیں جیسے کہ قرآن کریم کی بتلائی ہوئی خبریں اور ایسی خبریں جن میں کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف نہیں کی گئی۔]
4> ہم اِس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو پہلی تمام الہامی کتابوں پر حاکم اور اُن کی تصدیق کرنے والا بنا کر نازل کیا۔ قرآن آخری الہامی کتاب ہے۔

رسولوں پر ایمان :-

1> ہمارا تمام رسولوں کے بارے میں یقینی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول بھیجے تھے۔ جو انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے اور اللہ کے علاوہ جس کی بھی وہ عبادت کرتے تھے اُن کا انکار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔
2> تمام رسول بشر تھے۔ اللہ نے اُن پر اپنی وحی اتاری اور انھیں حکم دیا کہ وہ آگے پہنچائے۔ تمام رسولوں نے اُن تمام باتوں کی تبلیغ کر دی جو اللہ نے انھیں کرنے کہی تھی۔ تمام انبیائے کرام نے اُس میں سے کچھ بھی نہ چھپایا اور نہ ہی اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کی۔ انھوں نے اپنی طرف سے نہ تو کچھ اضافہ کیا اور نہ ہی اُس میں ایک حرف کی بھی کمی کی۔
3> جن رسولوں کے نام ہمیں بتا دیئے گئے اُن کے نام کے ساتھ ہم سب پر ایمان لائے اور جن انبیائے کرام کا نام ذکر نہیں کیا گیا اُن پر بھی ہم ایمان لائے۔
4> سب سے آخری نبی ہمارے محمدؐ ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ ہر رسول اس زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لیے آئے اور محمدؐ قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہدایت لائے۔ محمدؐ جو شریعت لے کر آئے وہ قیامت تک باقی رہیگی، منسوخ نہیں ہوگی۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
([وہ کہتے ہیں] ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے)

ہمارے سارے رسولوں پر ایمان لانے میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ ایک رسول کا انکار گویا سارے رسولوں کا انکار ہے۔
الشعراء : 105 ← كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ (قومِ نوح نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔) اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کو تمام رسولوں کو جھٹلانے والا قرار دیا حالانکہ نوحؑ کے زمانے میں جب قومِ نوح نے نوحؑ کی تکذیب کی تھی اُس وقت نوحؑ کے علاوہ کوئی اور نبی تھا ہی نہیں۔ اِس لیے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اگر وہ کسی ایک بھی رسول کا انکار کرے۔
بخاری :- رسولؐ نے فرمایا: "... انبیائے کرام علاتی بھائیوں (کی طرح) ہیں۔ اُن کی مائیں الگ الگ ہیں (اُن کے مسائل میں اگرچہ اختلاف ہے) لیکن دین سب کا ایک ہی ہے (یعنی دینِ اسلام)۔"
یعنی تمام انبیائے کرام بنیادی طور پر اصل چیز میں ایک ہی ہیں اور وہ عقیدہ توحید ہے۔ یہی عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ نے اپنے بھیجے ہوئے ہر رسول کو عطا فرمایا، یہی عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کی گئی ہر کتاب میں بیان فرمایا۔ لیکن اِن انبیائے کرام کی شرعی تفصیلات الگ الگ ہیں جیسے اوامر و نواہی، حلال و حرام یکساں نہیں ہیں۔ کیونکہ علاتی بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے اور اُن کی مائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔
اِس لیے تمام انبیائے کرام کے نبی اور رسول ہونے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ نبوت کے لحاظ سے سب انبیائے کرام برابر ہوتے ہیں اور وہ سب ایک سطح پر ہوتے ہیں اور باقی تمام مخلوقات سے افضل ہوتے ہیں۔
بخاری : نبیؐ نے فرمایا: "کسی شخص کو ایسا کہنا درست نہیں کہ میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں۔"

اِس لیے آج اگر کوئی کسی ایک رسول کی بھی بے حرمتی کرتا ہے یا مذاق اڑاتا ہے تو ہم اُسے برداشت نہیں کر سکتے۔

تمام انبیائے کرام اگرچہ نبوت کے لحاظ سے ایک سطح پر ہیں اور اُن میں کوئی فرق نہیں مگر فضائل کے لحاظ سے اُن میں فرق ہیں۔ اور یہ فرق قرآن کریم کی اِس آیت :
البقرۃ : 253 ← تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ (یہ سب رسول ہیں ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی)

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء اور رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اُن میں سب سے افضل اولو العزم پیغمبر ہیں۔ جس میں نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ ہیں۔ اور اولو العزم پیغمبروں میں افضل محمدؐ ہیں۔ ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن محمدؐ کو قیامت تک آنے والے سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا اور وہ آخری نبی اور رسول ہے اور اُن سب میں افضل ہیں۔ اور معراج میں نبیؐ نے انبیائے کرام کو آسمان میں دیکھا اور ہر ایک کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات کے مطابق دوسرے نبی سے مختلف تھا۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
(اور وہ کہتے ہیں: ہم نے [حکم] سنا اور اطاعت کی)

رسول اور تمام مومن کہتے ہیں: ہم نے [اللہ کا ہر حکم] سنا اور اطاعت کی۔ مومن بندہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کے کسی بھی حکم کی نافرمانی نہیں کرتا۔ عمل نہ کرنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں بناتا۔ اُسے حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے تب بھی اللہ کے ہر حکم پر عمل کرتے رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم نے تیرے سارے احکام کو سن لیا اور اسی کے مطابق ہم عمل بھی کریں گے۔ کیونکہ اطاعت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔
مومن بندہ یہودیوں کی طرح احکام سن کر سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی) نہیں کہتا۔ یہاں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ابھی تک سورۃ البقرۃ میں جتنے احکام پڑھے اُن سب پر اور آگے بھی جو احکام آنے والے ہیں اُن سب پر بھی ہم عمل کریں گے یہ ہم کہہ رہے ہوتے ہیں۔ ابھی تک کس کس احکام کے مطابق ہم نے سورۃ البقرۃ میں پڑھا؟
1> عقائد جیسے آیت الکرسی، یہ آیت اور بھی کئی آیات
2> عبادات جیسے نماز، زکات، حج، رمضان
3> معاملات جیسے i> خاندانی زندگی کے معاملات مثلاً طلاق، عدت، نکاح، رضاعت
ii> معاشی زندگی کے معاملات مثلاً اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، سود، قرض۔
iii> معاشرے کے کمزور طبقات جیسے یتیموں، مسکینوں، مسافروں، عورتوں کے حقوق۔
iv> زندگی کی حفاظت جیسے قصاص و قتال
4> امت وسط کی ذمہ داریاں بتائی گئی کہ بحیثیت امت ہمارا کردار کیا ہونا چاہیے۔ اور امت وسط کہ ہمیں اعتدال کی تعلیم دی گئی کہ نہ افراط نہ تفریط کرے۔
5> بنی اسرائیل کے قصے بیان کئے گئے جس سے ہمیں سبق لینے کہا گیا۔
6> اخلاقیات کے بارے میں جیسے فساد نہ کرنا اور صبر کی تلقین کی گئی۔
یہ سب سننے کے بعد مومنوں کو کہنا چاہیے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی)۔ ہم اِن شاء اللہ اطاعت کرینگے۔
اطاعت کرنے کے لیے پہلے سننا ضروری ہے۔ جو نہ سنے وہ اطاعت نہیں کر سکتا۔ اگر ہم نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر سنی ہی نہ ہوتی تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت بھی کرینگے۔ اِس لیے دین کی طرف آنے کے لیے پہلا کام علم حاصل کرنا ہے۔ اُس کے لیے ثابت قدم رہنا ہوگا اور غور سے ہر بات کو سننا ہوگا۔ غفلت یا سُستی سے سننا نہیں ہے اور ساتھ ساتھ جو سنتے جائے اُس پر اُسی وقت سے عمل کرنا شروع کرنے لگے تب یہ اطاعت ہوگی۔ لیکن اطاعت کی کوشش کے باوجود انسان سے بھول چوک ہو جاتی ہے اِسلیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں خود ہی سکھا دیا کہ پھر کیا کہو؟!

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا
([ہم] تیری بخشش [چاہتے ہیں] اے ہمارے رب!)

یہاں غُفْرَانَكَ سے پہلے نَسْئَلُكَ (ہم تجھ سے مانگتے / سوال کرتے ہیں) محذوف ہے۔ یعنی "ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیری بخشش کا کہ تو ہمیں ڈھانپ لے، ہمارے عیب چھپا لے، ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔"

قرآن کی دعاؤں میں رَبَّنَا پہلے آتا ہے جیسے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا (آل عمران : 147 اور الحشر : 10) یا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ (ابراھیم : 41)۔ لیکن یہاں ترتیب الگ ہے اور فعل (اغْفِرْ) کی بجائے اسم یا مصدر (غُفْرَان) استعمال ہوا ہے۔ جب ترتیب بدل جاتی ہے یا فعل کی بجائے مصدر کا استعمال ہوتا ہے تو معنی میں اور زیادہ شدت آ جاتی ہے۔ اِسے اِن دو مثالوں سے سمجھے :
1> کسی کے گھر آگ لگے اور وہ صرف اتنا کہتا ہے "آگ آگ" تو اس میں زیادہ شدت ہوتی ہے بنسبت کوئی کہے "آگ بجھاؤ، آگ بجھاؤ"۔
2> اگر کوئی انسان مشکل میں پھنس جانے کے بعد کسی کو مدد کے لیے اسطرح پکارے "مدد مدد" تو اس بات میں زیادہ شدت ہوگی بنسبت یہ کہنے کہ "میری مدد کرو، میری مدد کرو"۔

اِس لیے جملے کی جگہ صرف ایک لفظ یا فعل کے بدلے اسم استعمال کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ اثر کرتا ہے اور اِس میں زیادہ شدت ہوتی ہے۔ اِسی طرح لمبی باتوں کی بنسبت مختصر کلام زیادہ اثر انداز (emotional effect) ہوتا ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہہ رہے ہیں "تیری بخشش" کیونکہ جو گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوتا ہے، جو جتنا شرمندہ ہوتا ہے اور جو معافی مانگنے میں جتنا سنجیدہ ہوتا ہے وہ اتنا ہی کم بولتا ہے۔ جب دل کے اندر گناہوں کا طوفان ہوتا ہے تو زبان سے پوری بات کا اظہار نہیں ہو پاتا تب ایک لفظ سے اظہار کافی ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کو بخشش کی ضرورت ہے۔ اِس آیت میں کہا گیا رسولؐ بھی اور مومن بندے بھی بخشش مانگتے ہیں۔ حالانکہ رسولؐ معصوم تھے۔ اُن پر کوئی گناہ نہیں تھے لیکن اِس کے باوجود رسولؐ کثرت سے استغفار کرتے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ رسولؐ ایک دن میں سو بار اللہ سے استغفار کرتے تھے۔ جب رسولؐ رسول ہوتے ہوئے بھی استغفار کرتے رہتے تھے تو عام انسانوں کی حالت کیا ہونی چاہیے۔
ہمیں اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے مغفرت مانگتے رہنا ہے۔ اپنے آپ کو بڑی چیز نہیں سمجھنا ہے۔ اپنی پاکیزگی کے دعوے نہیں کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو مغفرت کے لیے حِطَّةٌ کا لفظ کہنے کہا تو انھوں نے اُس لفظ کو بدل کر حِنْطَةٌ (گندم چاہیے) کر دیا۔ اور اللہ کی نافرمانی کی۔ لیکن جو مومن بندہ ہوتا ہے وہ مغفرت مانگتے رہتا ہے کیونکہ اُسے اللہ نے حکم دیا ہے۔ مومن بندہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا اور اپنے آپ کو نیک نہیں سمجھتا چاہے وہ دین کے کتنے ہی بڑے بڑے کام کرے پھر بھی اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور بار بار مغفرت مانگتا رہتا ہے۔

ویسے بھی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے بعد غُفْرَانَكَ رَبَّنَا کہا گیا۔ حالانکہ مغفرت اُس وقت مانگی جاتی ہے جب کوئی نافرمانی کرتا ہے۔ جبکہ یہاں کہا گیا "ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی" اور اطاعت کے بعد غُفْرَانَكَ رَبَّنَا کہہ کر مغفرت مانگی گئی۔ اِس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں:
1> اطاعت کرنے کے باوجود بھی ہم سے کمی کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں اس لیے ہمیں معاف کر دے۔ ہم تو اللہ کا پورا حق ادا ہی نہیں کر سکتے۔
2> کئی عرصے سے ہم نے نہ ہی تیرے حکم کو سنا اور نہ ہی اطاعت کی۔ اب ہم نے سنا اور اب ہم اطاعت کرینگے۔ اب ہمیں معاف کر دے۔ (یعنی ابھی بھی موقع ہے سنے اور اطاعت کرنے کا۔ اللہ نے ابھی بھی دروازہ کھولا رکھا ہے۔ آج بھی وقت دیا ہے کہ ہم اُس کے احکام کو سُنے اور اُس پر عمل کر کے جہنم سے بچ جائے۔ آج ہی معافی مانگ لے اِس سے پہلے کہ معافی اور عمل کا وقت ختم ہو جائے۔

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ
(اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے)

اِس آیت کے شروع میں دوسرے ایمان کے ارکان بیان کئے گئے لیکن آخرت کا ذکر یہاں کیا گیا جبکہ آیت البر میں ایمان کے فوراً بعد آخرت کے دن کا ذکر ہے۔ اِسی طرح سورۃ البقرۃ : 4 ← وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (اور وہ [متقین] آخرت پر یقین رکھتے ہیں) یعنی وہ صرف ایمان نہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ انسان کے عمل پر اگر کوئی چیز اثر انداز ہوتی ہے تو وہ چیز آخرت پر ایمان ہے۔ اگر کسی کو حساب کتاب کا خوف ہے تو ہی وہ درست عمل کر سکے گا۔ بہرحال

یہ ہمیشہ یاد رہے کہ ایک دن ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اُس سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں!

الشوریٰ : 47 ← اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ
([اے لوگو!] اپنے رب کا حکم مان لو اِس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آ جائے جس کا ٹل جانا ناممکن ہے۔ تمہیں اُس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی اور نہ تم سے گناہوں کا انکار ہی بن پڑے گا۔)

القیامۃ : 10-13 ← يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِۨ الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ
(اُس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں! کہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ اُس دن صرف تیرے رب کی طرف ٹھکانہ ہوگا۔)